© rasailojaraid.com

فکر و نظر............ اسلام آباد جلد: ۴۵ شمارہ: ۱

کتاب الخراج (امام ابویوسفؒ)

ایک تعارفی مطالعہ

حافظ مبشر حسین☆

امام ابو یوسفؒ

امام ابویوسفؒ، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب الانصاری الکوفی البغدادی (۱۱۳۔۱۸۲ھ/ ۷۳۱۔۷۹۸ء)، امام ابو حنیفہؒ کے نمایاں شاگرد ہیں، اور امام صاحبؒ کے فقہی مذہب کو پھیلانے والے یہی پہلے شخص ہیں۔ آپ بہت بڑے فقیہ اور حفاظ محدثین میں سے تھے۔ کوفہ میں پیدا ہوئے، حدیث و روایت میں تفقہ حاصل کیا پھر امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ آپ پر رائے و قیاس کا رجحان غالب آ گیا تھا۔ آپ خلیفہ مہدی، ہادی اور ہارون الرشید کے ادوار حکومت میں بغداد کے قاضی رہے اور ہارون الرشید کے عہد حکومت میں اسی منصب پر وفات پائی۔ آپ (اسلامی تاریخ میں) وہ پہلے فرد ہیں جنہیں قاضی القضاۃ کہا گیا بلکہ آپ کو قاضی قضاۃ الدنیا بھی کہا جاتا ہے۔ آپ نے سب سے پہلے امام ابو حنیفہؒ کے منہج کی روشنی میں اصول فقہ پر کتابیں لکھیں۔ آپ تفسیر، مغازی اور أیام عرب (تاریخ) کے بارے میں بھی بہت وسیع معلومات رکھتے تھے۔ آپ کی تصنیفات درج ذیل ہیں:

کتاب الخراج (ط)، الآثار، (ط) اسے مسند أبی حنیفة بھی کہا جاتا ہے۔ النوادر، اختلاف الامصار، أدب القاضی، الامالی فی الفقه، الرد علی مالك بن أنس، الفرائض، الوصایا، الوکالة، البیوع، الصید والذبائح، الغصب والاستبراء، الجوامع.(۱)

مؤخر الذکر کتاب چالیس حصوں میں تھی جو یحییٰ بن خالد برمکی کے لیے آپ نے لکھی تھی۔ اس کتاب میں آپ نے اختلافی مسائل کی نشاندہی اور ان میں اپنی فقہی رائے کا اظہار کیا تھا۔

کتاب الخراج؛ امام ابویوسفؒ کی شہرۂ آفاق کتاب

کتاب الخراج آپ کی سب سے اہم اور باقی کتابوں کی نسبت ضخیم کتاب ہے۔ یہ دراصل خلیفہ ہارون الرشید کے ایماء پر لکھی گئی تھی اور یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں نظم الدول بالخصوص مالیاتی نظام اور اس سے متعلقہ بعض ضروری امور کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

☆ ریسرچ ایسوسی ایٹ/ریکچرر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلیفہ ہارون الرشید کی خواہش تھی کہ انہیں اس سلسلہ میں بعض ضروری چیزوں کی تفصیلات مہیا کی جائیں، چنانچہ انہوں نے امام ابو یوسفؒ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا اور آپ نے یہ کتاب مرتب فرمائی۔ امام ابویوسفؒ نے اس کتاب کا آغاز جس عبارت سے کیا ہے، اس سے ہمیں یہی اندازہ ہوتا ہے، چنانچہ ابو یوسف لکھتے ہیں: ☆

هذا ما كتب به أبو يوسف رَحِمَهُ اللهُ إلى أمير المؤمنين هارون الرشيد، أطال الله بقاء أمير المؤمنين وأدام لَهُ العز فِي تمام من النعمة ودوام من الكرامة وجعل ما أنعم به عليه موصولا بنعيم الآخرة الذى لا ينفذ ولا يزول ومرافقة النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. إن أمير المؤمنين أيده الله تعالى سألنى أن أضع لَهُ كتابا جامعا يعمل به فِي جباية الخراج والعشور والصدقات والجوالى وغير ذلك ☆ مما يجب عليه النظر فيه والعمل به وإنما أراد بذلك رفع الظلم عن رعيته والصلاح لأمرهم. وفق الله تعالى أمير المؤمنين وسدده وأعانه عَلَى ما تولى من ذلك وسلمه مما يخاف ويحذر وطلب أن أبين لَهُ ما سألنى عنه مما يريد العمل به وأفسره وأشرحه. وقد فسرت ذلك وشرحته.(۲)

”یہ وہ دستاویز ہے جو ابو یوسف نے امیر المؤمنین ہارون الرشید کو ارسال فرمائی تھی۔ اللہ امیر المؤمنین کی عمر دراز کرے اور ان کو ہمیشہ ہر طرح کی نعمتوں کے ساتھ، شان و شوکت سے سرفراز کیے رہے۔ خدا کرے کہ آج ان پر جو انعامات ہو رہے، ان کے بعد انہیں آخرت کی لازوال اور غیر فانی نعمت بھی عطا ہو اور نبی کریم ﷺ کی رفاقت نصیب ہو۔ امیر المؤمنین نے، اللہ ان کی مدد فرمائے، مجھ سے ایک جامع تحریر طلب کی ہے جس کو وہ خراج، عشور، صدقات اور جوالی☆☆ کی تحصیل میں اپنا دستور العمل بنا سکیں

☆......یہاں امام ابو یوسفؒ نے اختصار کے ساتھ صرف اس مرکزی پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خلیفہ مجھ سے کیا معلومات لینا چاہتے ہیں اور غیر ذلک کہہ کر باقی چیزوں کی وضاحت نہیں کی، البتہ کتاب کے ان مختلف مقامات پر جہاں ابو یوسفؒ کسی ایک مسئلہ کے اختتام کے بعد کسی دوسرے مسئلے کا آغاز کرتے ہیں، وہاں وہ خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے ان مختلف امور کا ذکر کرتے ہیں جن کے بارے میں خلیفہ نے ان سے معلومات مہیا کرنے کی فرمائش کی تھی۔

☆☆......یہ ’جالیہ‘ کی جمع ہے۔ اصلاً اس کے معنی گروہ کے ہیں۔ جن ذمیوں کو حضرت عمرؓ نے جزیرۃ العرب سے جلاوطن کیا تھا ان کو اسی مناسبت سے جالیہ کہا جانے لگا۔ پھر یہ لفظ اس جزیہ کے لیے بولا جانے لگا جو ان سے وصول کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ ہر طرح کے جزیہ کو یہی نام دے دیا گیا، خواہ جزیہ دینے والا کبھی بھی جلا وطن نہ کیا گیا ہو۔ دیکھیے: حوالہ نمبر۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جو ان کے دوسرے امور میں بھی ان کی رہنمائی کر سکے۔ جن پر غور و فکر کرنا اور عمل کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔ اس تحقیق سے امیر المؤمنین کا منشاء یہ ہے کہ اپنی رعایا پر سے ہر طرح کے ظلم کا ازالہ کریں اور ان کے معاملات درست فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کو اپنی ان ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کی توفیق عطا فرمائے، ان کو راہ راست پر رکھے اور ان کی دست گیری فرمائے اور خوف و خطرہ کی باتوں سے ان کو محفوظ رکھے۔ انہوں نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے کہ مذکورہ بالا جن امور پر وہ عمل درآمد کا ارادہ رکھتے ہیں، ان کی تفصیلات سے آگاہ کر دوں۔ چنانچہ میں نے ان امور کو کافی تفصیل کے ساتھ واضح کر دیا ہے"۔(۳)

اہل علم کے نزدیک کتاب الخراج کی اہمیت

اہل علم نے امام ابویوسفؒ کی کتاب الخراج کو بڑی اہمیت دی ہے مثلاً معروف محقق ابو زہرہ کتاب الخراج کا تعارف کراتے ہوئے اس کی اہمیت یوں بیان کرتے ہیں:

"یہ کتاب قاضی ابو یوسف کا ایک خط ہے جو انہوں نے خلیفہ ہارون الرشیدؒ کے نام لکھا تھا۔ اس خط میں انہوں نے حکومت کے مالی وسائل اور ذرائع آمدن کی تفصیلات پر بڑی دقیق اور عمدہ بحث کی ہے۔ آپ نے اس میں قرآن مجید، احادیث اور صحابہ کے فتاویٰ پر اعتماد کیا ہے"۔(۴)

نیز لکھتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر بہترین اور نہایت قیمتی فقہی سرمایہ ہے اور جس دور میں یہ لکھی گئی اس میں اس کتاب کی کوئی نظیر نہیں ملتی"۔(۵)

کتاب الخراج کے مندرجات

یہ کتاب دوسری صدی ہجری میں لکھی گئی جب کہ اس وقت کوئی اور قابل ذکر تصنیف اس سلسلہ میں موجود نہیں تھی اور نہ ہی یہ فن ابھی اپنی ارتقائی شکل کو پہنچا تھا، اس لیے اس کا اسلوب وہ نہیں جو کسی بھی فن میں لکھی جانے والی کسی جامع و مربوط کتاب کا ہوتا ہے،(۶) اور نہ ہی یہ قانون پر مشتمل کوئی دستاویز ہے، البتہ اس کے باوجود یہ کتاب ان دونوں پہلوؤں سے بہت حد تک تعلق رکھتی ہے۔ فنی اعتبار سے یہ فقہ المالیات اور نظم الدول کے موضوع سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا بڑا حصہ فقہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

المالیات بالخصوص مالیۃ الدولۃ پر مشتمل ہے جو کہ نظم الدول ہی کا ایک شعبہ ہے۔ نیز نظم الدول سے متعلقہ دیگر مباحث بھی پوری کتاب میں بکھرے نظر آتے ہیں۔ اور قانونی اعتبار سے اس کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں حاکمِ وقت کو مالیاتی نظم سے متعلقہ ایسی اہم معلومات فراہم کی گئی ہیں جن کی روشنی میں حکومت کے لیے قانون سازی ممکن ہے۔

کتاب الخراج کے اہم مندرجات درج ذیل ہیں:

۱۔ خلیفہ کو نصیحتیں

۲۔ خلیفہ کی رہنمائی کے لیے منتخب اَحادیث

۳۔ مال غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ

۴۔ عراق و شام کی فتوحات، خراج کی وصولی اور حضرت عمرؓ کا نظامِ کار

۵۔ خراج کی شرحوں اور مقداروں میں تبدیلی کا مسئلہ

۶۔ عراقی جاگیروں کے مسائل

۷۔ عراقی و شامی جاگیروں کے محاصل اور ان کی مقداریں

۸۔ عراق و شام کے علاوہ زمینوں کی نوعیت

۹۔ غیر آباد (مردہ) زمینوں کی آباد کاری کا مسئلہ

۱۰۔ اسلام قبول کرنے والوں کے مال و جان کا مسئلہ

۱۱۔ باغیوں کے جان و مال کا مسئلہ

۱۲۔ زکاۃ سے متعلقہ احکام

۱۳۔ کنوؤں، نہروں، دریاؤں اور آبپاشی سے متعلقہ بعض مسائل

۱۴۔ عمال خراج کے لیے ہدایات

۱۵۔ ذمیوں سے متعلقہ مسائل[جزیہ، تجارتی ٹیکس، مذہبی آزادی کی حدود، وغیرہ]

۱۶۔ باغیوں، چوروں اور قصاص وحدود سے متعلقہ مسائل

۱۷۔ مرتد ہونے والوں سے متعلقہ احکام

۱۸۔ قاضیوں، عاملوں اور گورنروں کے وظائف سے متعلقہ مسائل

۱۹۔ سرحدوں کی حفاظت اور جاسوسوں سے متعلقہ مسائل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۰۔ مشرکوں اور باغیوں سے جنگ اور متعلقہ مسائل۔

یہ وہ مندرجات ہیں جنہیں امام ابویوسفؒ نے خصوصیت کے ساتھ موضوع بحث بنایا ہے، تاہم ضمنی طور پر کتاب الخراج میں کئی اور اہم موضوعات بھی زیر بحث آئے ہیں مثلاً:

۱۔ ایک تو اس کتاب میں پہلی دو صدیوں کی جنگی و سیاسی تاریخ سے متعلقہ بہت سی معلومات ملتی ہیں۔(۷)

۲۔ ابتدائی دو صدیوں میں فقہاء اسلام فقہی مباحث میں قرآن، حدیث، آثار، قیاس وغیرہ سے کس طرح استدلال کرتے تھے، اس بارے بھی اس کتاب میں کافی معلومات ملتی ہیں۔(۸)

۳۔ اسی طرح فقہی اختلافات میں مستحسن طرز عمل کا نمونہ بھی ملتا ہے۔(۹)

۴۔ امام ابو یوسفؒ جن مسائل میں فقہی توسع کی ضرورت محسوس کرتے ہیں، وہاں وہ اس کا اظہار بھی کرتے ہیں۔(۱۰)

۵۔ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جہاں امام ابو یوسفؒ اپنے استاد ابو حنیفہؒ سے دلائل کی بنیاد پر اختلاف کرتے ہیں۔ کہیں وہ ان کی رائے کو ان دلائل کی بنیاد پر، اور کہیں دیگر فقہاء کے استدلال کی بنیاد پر چھوڑ دیتے ہیں،اور اپنی رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور کہیں وہ اپنے استاد کی رائے کو دوسروں کی آراء پر ترجیح دیتے ہیں۔(۱۱)

آئندہ صفحات میں ہم کتاب الخراج کے مصنف کی قائم کردہ ترتیب ہی کے ساتھ ان مندرجات پر ایک تعارفی مطالعہ پیش کر رہے ہیں، اور ہماری کوشش یہ ہو گی کہ اس مقالہ میں کتاب کے مذکورہ بالا تمام اہم مندرجات کا اختصار و جامعیت کے ساتھ احاطہ ہو جائے۔(۱۲)

۱۔ خلیفہ کو نصیحتیں

امام ابو یوسفؒ کو خلیفۂ وقت کی طرف سے اگرچہ مالی معاملات سے متعلقہ معلومات فراہم کرنے کا حکم ملا تھا، تاہم انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خلیفۂ وقت کو ضروری نصیحتیں بھی کی ہیں۔ چنانچہ کتاب کے آغاز میں چند صفحات ابو یوسفؒ نے اسی مقصد کے لیے مختص کیے ہیں اور ان میں آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں خلیفہ کو نصیحتیں کرتے ہیں۔ خلیفہ کو اس کی ذمہ داری اور قیامت کے روز اس ذمہ داری کی جواب دہی کا احساس دلاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''[قیامت کے روز باز پرس سے متعلقہ ایک حدیث ذکر کرنے کے بعد ابو یوسفؒ خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:] امیر المؤمنین! اس مؤاخذے کا جواب تیار کر رکھیے (جو قیامت کے روز ہو گا)۔ آپ آج اپنے نامہ اعمال پر جو کچھ لکھیں گے، وہی کل آپ کو سنایا جائے گا۔ ذرا اس عالم کا تصور کیجیے جب بھرے مجمع میں اس تعلق کو بے نقاب کیا جائے گا جو صرف آپ کے اور اللہ کے درمیان ہے۔ امیر المؤمنین! میں آپ کو تہ دل سے نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی حفاظت و پاسداری آپ کے ذمہ کی ہے، ان کی پوری طرح پاسداری کیجیے۔ جن کا نگران بنایا ہے، ان کی نگرانی میں کوتاہی نہ کیجیے۔ اس معاملہ میں صرف اللہ کی رضا کو مد نظر رکھیے۔ اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو یاد رکھیے کہ ہدایت کی راہ آپ کے لیے مشکل ہو جائے گی، آپ کی آنکھیں ہدایت کی راہ پانے سے قاصر رہ جائیں گی، اس کے سارے نشانات بھی آپ کے لیے محو ہو جائیں گے۔ اس کی وسعتیں آپ کے لیے تنگی سے بدل جائیں گی''۔(۱۳)

۲۔ خلیفہ کی رہنمائی کے لیے احادیث

اس کے بعد امام ابو یوسفؒ نے چند ایسی احادیث و آثار کا انتخاب کیا ہے، جن میں سے کچھ کا تعلق خلیفہ اور اس کی ذمہ داری اور عدل و انصاف سے ہے، کچھ کا تعلق رعایا اور اطاعت امیر سے ہے، کچھ احادیث جنت، جہنم اور فکر آخرت سے متعلق ہیں، کچھ جہاد اور اس کی فضیلت سے متعلق ہیں۔ کچھ آثار حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے متعلق ہیں جن میں ان کے خلیفہ مقرر ہونے کے بعد کے طرز عمل کے متعلق تفصیلات ہیں۔ (۱۴)

اس سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ نے قصداً بعض ایسی احادیث، آثار اور مذکورہ بالا خلفاء کے واقعات نقل کیے ہیں جن سے یہ سبق ملتا ہے کہ خلیفہ اور حکومت وقت کے ہاں اس چیز کا بھی اہتمام ہونا چاہیے کہ عوام الناس کو حکومتی پالیسیوں پر صالح تنقید کا حق حاصل رہے۔(۱۵)

ان احادیث و آثار کے شروع میں ابو یوسفؒ خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے آپ کے لیے کچھ اچھی احادیث کا انتخاب کیا ہے، ان میں ان چیزوں کو عملی جامہ پہنانے کی رغبت دلائی گئی ہے جن کے بارے میں آپ نے مجھ سے سوال کیے ہیں اور جن پر آپ ان شاء اللہ عمل کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے پسندیدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کاموں کی توفیق دے، اور آپ کے ہاتھوں اصلاح کا کام لے‘‘۔(۱۶)

۳۔ مال غنیمت کی تقسیم

اس کے بعد امام ابو یوسفؒ نے مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں تفصیلات مہیا کی ہیں۔ آپ نے سب سے پہلے قرآن مجید کے حوالے سے ان آیات کو ذکر کیا ہے جن میں مال غنیمت کے سلسلہ میں رہنمائی کی گئی ہے پھر اس کے بعد ان احادیث و آثار کو ذکر کیا ہے جن میں مال غنیمت کے بارے میں ہدایات ملتی ہیں۔(۱۷)

اس کے علاوہ مال غنیمت میں سے خمس کے مصارف پر روشنی ڈالتے ہوئے ان چیزوں کو بھی ذکر کیا ہے جو مال غنیمت سے تعلق تو نہیں رکھتیں مگر ان پر خمس نافذ ہوتا ہے، مثلاً کانوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

’’کانوں/معادن سے جو کچھ حاصل ہو گا، خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ، اس پر خمس لاگو ہو گا‘‘۔(۱۸)

پھر اس کی جزئیات پر بھی آپ نے روشنی ڈالی ہے اور اس ضمن میں بعض ایسے واقعات بھی لکھے ہیں جو آپ کے دور میں بلادِ اسلامیہ کے مختلف حصوں میں پیش آ رہے تھے، مثلاً ایک جگہ آپ لکھتے ہیں:

’’اگر کوئی حربی دشمن دار السلام کی حدود سے کوئی خزانہ پائے اور وہ امان لے کر وہاں آیا ہو تو اس سے وہ سارا خزانہ لے لیا جائے گا اور اسے اس سے کچھ بھی نہیں دیا جائے گا۔ البتہ اگر اس کی جگہ کوئی ذمی ہو تو پھر اس کے ساتھ ایسے ہی سلوک کیا جائے گا جیسے کسی مسلمان کے ساتھ کیا جاتا ہے، یعنی اس سے خمس (پانچواں حصہ) لے کر بقیہ چار حصے اسے دے دیئے جائیں گے۔...... اگر کوئی مسلمان دار الحرب سے کوئی خزانہ پائے خواہ وہ خزانہ کسی کی ملکیت ہو یا نہ ہو، اور وہ وہاں بغیر امان کے داخل ہوا ہو تو وہ خزانہ اسی کی ملکیت قرار پائے گا، (اسلامی حکومت کی طرف سے) اس پر خمس عائد نہیں کیا جائے گا...... البتہ اگر وہ امان لے کر داخل ہوا ہو اور وہ خزانہ کسی کی ملکیت ہو تو پھر صاحب ملکیت ہی اس خزانے کا حقدار ہے، البتہ اگر وہ کسی کی ملکیت نہ ہو تو پھر یہ اس کا حقدار ہے‘‘۔(۱۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ عراق و شام کی فتوحات، خراج کی وصولی اور حضرت عمرؓ کا نظامِ کار

اس کے بعد آپ نے خراج اور اس سے متعلقہ بعض انتظامی و فقہی امور کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ دراصل خلیفہ ہارون الرشیدؒ نے اس سلسلہ میں آپ سے درج ذیل چیزوں کے بارے میں تفصیلات طلب کی تھیں:

۱۔ اَرض سواد [اس سے عراقی زمینیں مراد ہیں جو گھنے اور سیاہی مائل سبزے کی وجہ سے ارض سواد کے نام سے معروف تھیں] کا معاملہ کیا تھا؟

۲۔ ان علاقوں کے باشندوں کے ساتھ خراج اور جزیہ کے حوالے سے کیا برتاؤ کیا گیا؟

۳۔ حضرت عمرؓ نے ان پر کیا شرطیں عائد کی تھیں؟

۴۔ کیا سواد کے بعض علاقے صلح کے تحت آتے ہیں؟

۵۔ صلح کے تحت آنے والے علاقوں کے احکام کیا ہوں گے اور بزور شمشیر فتح ہونے والے علاقوں کے احکام کیا ہوں گے؟(۲۰)

اس کے علاوہ خلیفہ وقت نے شام و جزیرۃ العرب کی فتوحات، ان زمینوں کے خراج اور یہاں کے معاہدہ صلح وغیرہ کے بارے میں بھی تفصیلات طلب کی تھیں۔(۲۱) نیز یہ بھی پوچھا تھا کہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کے وظائف کیسے مقرر کیے تھے(۲۲) اور یہ بھی کہ ارض سواد کے خراج سے متعلقہ امور کے بارے میں کون سا طریقہ کار اختیار کرنا چاہیے؟۔ (یعنی وہی طریقہ اختیار کیا جائے جو حضرت عمرؓ نے اختیار کیا تھا یا وہ جس کا عباسی خلیفہ مہدی نے اجتہاد کیا تھا یا کوئی اور؟)(۲۳)

امام ابو یوسفؒ نے ان تمام فرمائشوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے زیر نظر کتاب میں تفصیلات مہیا کی ہیں۔ آپ نے سب سے پہلے خراج کے جواز کے بارے میں وہ قرآنی دلائل ذکر کیے ہیں، جن سے حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں فتوحاتِ عراق کے موقع پر خراج کے جواز کے لیے استدلال کیا تھا، پھر حضرت عمرؓ کے حوالے سے آپ نے مختلف اسناد کے ساتھ وہ روایات بھی نقل کی ہیں جن میں حضرت عمرؓ نے عراقی زمینوں کو غنائم میں تقسیم کردینے کی بجائے انہیں حکومتی ملکیت میں رکھتے ہوئے خراجی زمینیں قرار دینے کا فیصلہ کیا، اور اس فیصلے پر قرآن مجید سے استدلال کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا جس پر دیگر صحابہ کرامؓ نے بھی اتفاق کر لیا تھا۔ یہ روایات اس سلسلہ میں ایک اہم تاریخی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ریکارڈ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انہیں ذکر کرتے ہوئے آخر میں امام ابو یوسفؒ نے اپنی رائے ان الفاظ کے ساتھ دی ہے:

''حضرت عمرؓ نے زمینوں کو فاتحین کے درمیان تقسیم نہ کرنے کی جو رائے اس وقت قائم کی جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سلسلہ میں اس چیز کی طرف رہنمائی فرما دی تھی جو اس کی کتاب قرآن مجید میں موجود ہے، اور جو کچھ حضرت عمرؓ نے کیا، وہ دراصل اللہ کی طرف سے ملنے والی توفیق ہی سے ممکن ہوا۔ حضرت عمرؓ نے زمینوں کو فاتحین کے درمیان تقسیم نہ کرنے کا جو کچھ فیصلہ کیا تھا، اسی میں سارے مسلمانوں کی بھلائی تھی۔ اور آپ نے زمینوں کے خراج کو وصول کر کے سارے مسلمانوں میں تقسیم کرنے کی جو رائے اختیار کی تھی، وہ اسلامی معاشرے کے مفاد عامہ کی ضامن تھی۔ اگر یہ زمینیں عطیہ دینے اور روزینے جاری کرنے کے لیے سارے انسانوں کے لیے وقف قرار نہ دی جاتیں تو نہ سرحدوں کی حفاظت ممکن ہوتی، نہ جہاد کے لیے لشکر مستحکم کیے جا سکتے تھے۔ نیز فوجیوں اور تنخواہ دار محافظوں کی غیر موجودگی میں اس کی بھی کوئی ضمانت نہ تھی کہ اہل کفر پھر دوبارہ اپنے شہروں پر قبضہ نہ کر لیں''۔(۲۴)

پھر آپ نے عراق کی فتوحات، متعلقہ روایات کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں اور جہاں کہیں راویوں کے مابین اختلاف روایت کا مسئلہ تھا، وہاں اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔ گویا اس طرح تاریخ اسلام کا ایک اہم باب آپ نے روایت کے اصولوں پر نقل کر دیا ہے۔(۲۵)

پھر آپ نے عہد فاروقی میں سواد اور اس سے متعلقہ زمینوں سے وصول کی جانے والی شرحوں کے حوالے سے مختلف روایات نقل کی ہیں، مثلاً عامر شعبیؒ کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے:

''حضرت عمرؓ نے سواد کی پیمائش کرائی تو اس کا رقبہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ (۳۶۰۰۰۰۰۰) جریب تھا۔ آپ نے غلہ پیدا کرنے والی زرعی زمینوں پر فی جریب ایک درہم اور اور قفیز، انگور کے باغات پر فی جریب دس درہم، اور کھجور کے باغات پر پانچ درہم کے حساب سے خراج عائد کی۔ جزیہ کے شرحیں ہر مرد کے لیے (باعتبار استطاعت) ۱۲ درہم، ۲۴ درہم، اور ۴۸ درہم مقرر کیں''۔(۲۶)

اس کے بعد امام ابو یوسفؒ نے ایک اور روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ ''عثمان بن حنیف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(جنہیں حضرت عمرؓ کی طرف سے سواد کے ایک حصہ میں امیر مقرر کیا گیا تھا) کو سواد کی زمین کی پیائش کا حکم دیا،...... انہوں نے زمین کی پیائش کے بعد انگور کے باغات پر فی جریب ۱۰ درہم، کھجور پر فی جریب ۸ درہم، گھنے پر ۶ درہم، گندم پر ۴ درہم، جو پر ۲ درہم مقرر کیے"۔(۲۷)

گویا یہ شرحیں حضرت عمرؓ نے بذات خود مقرر نہ کیں بلکہ اپنے مقرر کردہ امیروں پر چھوڑ دی تھیں۔ اس کی تائید ابو یوسف کی نقل کردہ اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ "حضرت عمرؓ نے دجلہ کے ایک حصے کا امیر حضرت حذیفہ بن یمان کو اور دوسرے حصہ کا عثمان بن حنیف کو مقرر کیا، پھر انہیں طلب کر کے پوچھا کہ تم نے زمین کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے، میرا خیال ہے کہ تم نے زمین کے باشندگان پر طاقت سے زیادہ بوجھ ڈال دیا ہے؟ تو حضرت حذیفہ فرمانے لگے کہ میں نے تو ایک حصہ پیچھے باقی چھوڑا ہے، اور حضرت عثمان فرمانے لگے کہ میں نے تو اس سے دوگنا چھوڑا ہے اور اگر میں چاہوں تو (خراج کی مد میں) وہ بھی ان سے وصول کر سکتا ہوں۔ یہ جواب سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر میں زندہ رہا تو عراق کی بیوگان (اور ضرورت مندوں) کے لیے اتنا کچھ چھوڑ جاؤں گا کہ وہ میرے بعد کسی امیر کے محتاج نہ رہیں گے"۔(۲۸)

اس کے بعد آپ نے شام اور جزیرۃ العرب سے متعلقہ تفصیلات بیان کی ہیں، مثلاً ان علاقوں کی فتوحات، فتح سے پہلے ان کی جغرافیائی تقسیم، فتح کے بعد مختلف اطراف میں مقرر کیے جانے والے امراء، بزور طاقت فتح کیے جانے والے حصے اور بذریعہ صلح ساتھ ملنے والے علاقے، ان پر جزیہ، خراج وغیرہ کے سلسلہ میں مقرر کی جانے والی شرحیں۔(۲۹)

اس کے بعد آپ نے حضرت عمرؓ کے حوالے سے صحابہ کرام کے لیے مقرر کیے گئے وظائف پر روشنی ڈالی ہے مثلاً آپ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ

> "جب حضرت عمرؓ کے دور میں فتوحات بڑھیں اور مال و دولت کی فراوانی ہوگئی تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ نے وظائف مقرر کرنے میں ایک رائے اختیار کی تھی لیکن اب (فراوانی کی وجہ سے) میں دوسری رائے اختیار کروں گا۔ میں ایسا نہیں کر سکتا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی معیت میں جہاد کرنے والوں کو آپ کے بعد جہاد کرنے والوں کے برابر وظائف دوں"۔(۳۰)

چنانچہ آپ نے مہاجرین، انصار، بدری صحابہ، ازواج مطہرات اور دیگر صحابہ و تابعین کے وظائف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے حسب منصب و مرتبہ علیحدہ علیحدہ مقرر کر دیے جبکہ حضرت ابو بکرؓ کے دور میں وظائف میں اس طرح فرق نہیں رکھا گیا تھا۔

۵۔ خراج کی شرحوں اور مقداروں میں تبدیلی کا مسئلہ

ہم پیچھے بتا چکے ہیں کہ خلیفہ ہارون الرشید نے ابو یوسف سے ارض سواد کے حوالے سے یہ سوال بھی کیا تھا کہ ان زمینوں کے خراج وغیرہ کے سلسلہ میں وہی طریقہ اختیار کیا جائے جو حضرت عمرؓ نے اختیار کیا تھا یا جو خلیفہ مہدی نے شروع کروایا تھا؟

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ابو یوسف نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے طریق کار میں تبدیلی کی جا سکتی ہے اور اس سے زیادہ بہتر ہے کہ اب کے حالات میں دوسرے طریق کار کو اختیار کر لیا جائے۔ خراج (محصول) کی وصولی کے یہ دو الگ الگ طریق کار کیا تھے، انہیں سمجھنے کے لیے اس دور کی تاریخ پر ایک نگاہ ڈالنا ہو گی۔

ایرانی دور حکومت سے یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ زمین کا خراج (محصول) اس کے رقبہ کے حساب سے ایک متعین شرح کے مطابق وصول کیا جاتا تھا مثلاً فی جریب اتنے درہم یا اتنا غلہ۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں جب عراق و شام کے یہ علاقے فتح ہوئے تو عمرؓ نے بھی یہی طریقہ باقی رکھا۔ اصطلاحی طور پر اسے 'نظام المساحۃ' [یعنی زمین کی پیمائش پر مبنی نظام محاصل] کہا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے خراج کی شرحیں کم رکھی تھیں اور ساتھ ہی یہ یقین کر لیا تھا کہ کاشتکار آسانی کے ساتھ اسے ادا کر سکیں گے۔ یہی نظام محاصل عباسی دور میں خلیفہ منصور (المتوفی ۱۵۸ھ) کی وفات تک مسلسل نافذ رہا۔ یعنی زرعی زمینوں سے رقبہ کے حساب سے نقد رقم یا متعین اناج کی شکل میں ان کا محصول (خراج) وصول کیا جاتا رہا۔ عباسی دور حکومت کے آغاز میں غلے کی قیمتیں بہت بڑھ چکی تھیں مگر منصور کے دور میں غلہ سستا ہو گیا تھا۔ ان تبدیلیوں کے پیش نظر یہ محسوس کیا گیا کہ خراج وصول کرنے کے طریقہ میں تبدیلی کی جانی چاہیے۔ چنانچہ تیسرے عباسی خلیفہ مہدی کے دور میں ان کے وزیر ابو عبیداللہ نے یہ تجویز دی کہ کاشت کاروں سے ان کی زمین کی پیداوار پر متعین نسبت سے خراج عائد کرنا چاہیے۔ خلیفہ مہدی نے یہی نظام نافذ کر دیا اسے 'نظام المقاسمۃ' [یعنی پیداوار میں شرکت کے اصول پر مبنی نظام] کہا جاتا ہے۔ اس نظام میں بڑا فائدہ یہ تھا کہ قیمتوں کے اتار چڑھاؤ اور زمین کی پیداوار کی کمی بیشی کا اثر کاشت کاروں اور سرکاری خزانہ دونوں پر یکساں اثر پڑتا ہے اور دونوں کے مفاد میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی تصادم نہیں ہوتا۔ نتیجتاً خراج کی مقداروں کی بار بار تبدیلی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ چنانچہ ۱۶۰ھ سے مختلف قسم کی خراجی زمینوں سے حکومت درج ذیل نسبتوں کے مطابق خراج وصول کرنے لگی:

دریاؤں، چشموں اور بارش کے پانی سے سیراب ہونے والی زمینوں کی پیداوار سے آدھا حصہ۔ ڈول اور رہٹ سے سینچی جانے والی زمینوں سے ان کی پیداوار کا تہائی حصہ۔ زیادہ محنت طلب 'دوالیب' کی مدد سے سینچی جانے والی زمینوں کی پیداوار کا چوتھائی حصہ۔ کھجور، دوسرے درختوں اور انگور کی بیلوں پر حسب سابق متعین مقداروں میں خراج وصول کیا جاتا رہا۔(۳۱)

خلیفہ مہدی اپنے دور حکومت میں فضول خرچیاں کرنے لگا، جب مزید مال کی ضرورت پڑی تو اس نے مصر اور دجلہ و فرات میں خراج کی شرحیں بڑھا دیں اور بارانی زمینوں کی پیداوار سے آدھے حصہ کی بجائے ۳:۵ حصہ وصول کیے جانے لگا۔ اس کے بعد خلیفہ ہادی کے دور میں بھی یہی شرح نافذ رہی۔ جب ربیع الاول ۱۷۰ھ میں ہارون الرشید خلیفہ مقرر ہوا تو اس نے ایک لائق اور مدبر شخص یحییٰ بن خالد برمک کو اپنا وزیر مقرر کیا اور اس کی تجویز پر بارانی زمینوں کے خراج کی شرح کم کر پھر آدھا حصہ مقرر کر دی گئی۔ (۳۲)

یہی وہ دور اور حالات تھے جب خلیفہ ہارون الرشید نے قاضی ابو یوسفؒ سے مالیاتی نظام سے متعلقہ مباحث پر کتاب لکھنے کا مطالبہ کیا تھا اور ابو یوسف نے زیر نظر کتاب مرتب کی، چنانچہ اس میں مالیاتی امور سے متعلقہ دیگر مباحث کے ساتھ ساتھ امام ابو یوسفؒ نے شرعی و انتظامی ہر دو نقطہ نظر سے اس بات کا جائزہ لیا ہے کہ خراج کی شرحوں میں کمی بیشی اور تبدیلی ممکن ہے یا نہیں اور اگر اس نظام میں کوئی تبدیلی ممکن ہے تو کون سی صورت اسلامی نقطہ نظر سے جائز ہونے کے علاوہ حکومت اور رعایا دونوں کے حق میں بہتر ہو گی۔ امام ابو یوسف نے اس سلسلہ میں خلیفہ کو حتمی رائے دینے سے پہلے اپنے دور کے اہل علم سے تبادلہ خیال بھی کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ خراج کے لیے نظام المقاسمہ زیادہ بہتر ہے اور اس میں رعایا بھی امراء کے ظلم و جور سے محفوظ رہے گی، چنانچہ آپ خلیفہ کو لکھتے ہیں:

''میں نے خراج سے متعلقہ امور کا علم رکھنے والے اور دیگر اہل علم کو جمع کیا اور ان سے اس سلسلہ میں تبادلہ خیال کیا تو ان میں سے ہر ایک نے ایسی رائے دی جس پر عمل ممکن نہیں۔ میں نے ان سے عہد فاروقی میں زمین کے خراج کی شرحوں کے سلسلہ میں بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بحث و مباحثہ کیا کہ حضرت عمرؓ نے جو شرحیں مقرر کی تھیں، اس وقت وہ زمینیں ان شرحوں کی متحمل تھیں جیسا آپؓ نے حضرت حذیفہ بن یمان جو دجلہ کے پچھلے علاقوں پر عامل مقرر ہوئے تھے اور عثمان بن حنیف جو فرات کے کنارے مقرر ہوئے تھے، کو طلب کر کے ان سے کہا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم نے زمینوں پر ان کی طاقت سے زیادہ خراج عائد کر دیا ہے؟ تو حضرت عثمانؓ فرمانے لگے کہ میں نے تو زمین پر اتنا بوجھ ڈالا ہے جتنے کی وہ بخوبی طاقت رکھتی ہے، اگر میں چاہوں تو اس سے زیادہ خراج بھی وصول کیا جا سکتا ہے۔ اور حضرت حذیفہؓ نے کہا کہ میں نے جتنا خراج عائد کیا ہے وہاں کی زمین اس کی اور اس سے زیادہ کی بھی متحمل ہے۔ ان دو صحابیوں کے بیان سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ ان کی زمینیں اس وقت کے متعین کیے جانے والے خراج سے زیادہ خراج دینے کی صلاحیت بھی رکھتی تھیں اور اس بات میں کسی نے اختلاف ظاہر نہیں کیا''۔(۳۳)

نیز فرماتے ہیں:

''لٰہذا میری رائے یہ ہے کہ خراج کے لیے غلہ کی کوئی متعین مقدار یا درہموں کی متعین تعداد مختلف شرحوں کے ساتھ ان پر عائد کر دینا نہ صرف سلطان اور بیت المال کے لیے نقصان دہ ثابت ہو گا بلکہ اس طرح خراج دینے والوں کے باہمی معاملات میں بھی خرابیاں پیدا ہوں گی۔ جب غلہ بہت زیادہ سستا ہو گا تو سلطان اس مقدار کو جو وہ عائد کرے گا، اپنے لیے کافی نہیں سمجھے گا اور لوگوں کو جو آسانی مل رہی ہو گی اس پر وہ دل سے راضی نہ ہو گا۔ نیز اس سے فوجی طاقت اور سرحدوں کے استحکام کے امور بخوبی انجام نہیں دیے جا سکیں گے۔ اور اگر غلہ بہت زیادہ مہنگا ہو گا تو خراج ادا کرنے والوں کو مقررہ مقدار زیادہ معلوم ہو گی جب کہ سلطان اس میں کمی برداشت نہیں کرے گا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور یہ کبھی یکساں حال میں نہیں رہتا۔ درہموں کے متعین تعداد کی شکل میں خراج عائد کر دینے میں بھی یہی نقصانات ہوں گے۔ نیز اس میں اور بہت سے دوسرے عوامل کو بھی دخل حاصل ہو گا جن کی تفصیلات یہاں طوالت کا باعث ہوں گی''۔(۳۴)

اس کے بعد ابو یوسفؒ قیمتوں کے اتار چڑھاؤ سے متعلق کچھ روایات نقل کرنے کے بعد اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''میرے خیال میں پیداوار کے اندر ایک ایسی منصفانہ ہلکی نسبت سے حصہ دار بن جانا جس سے حکومت بھی راضی ہو اور اہل خراج باہمی تعلقات میں ظلم و زیادتی اور ایک دوسرے کی دست درازی سے بچے رہیں اور ان کے لیے کچھ بچ بھی رہے، بیت المال کی آمدنی بڑھانے، خراج ادا کرنے والوں کو ایک دوسرے کی دست درازیوں سے اور ایک دوسرے پر بے جا بار ڈالنے سے بچانے نیز ان کو والیوں اور دوسرے افسران حکومت کے ظلم سے محفوظ رکھنے کا بہترین طریقہ ہے۔ امیر المؤمنین کو اللہ باقی رکھے، میری رائے یہ ہے کہ وہ سارے باشندگان سواد سے گیہوں اور جو کی کاشت پر بہتے ہوئے پانی سے سیراب ہونے والی زمینوں کی پیداوار کے ۲:۵ پر معاملہ کریں۔ محنت سے سینچی جانے والی زمینوں (کی پیداوار میں) سے پانچویں حصہ اور نصف [یعنی ۳:۱۰] پر، کھجور کے درخت، انگور، پختہ کھجوروں اور باغات میں تہائی پر اور موسم گرما کی فصل میں سے چوتھائی پر۔ ان میں سے کسی چیز پر بھی خراج کی تحصیل اندازے سے نہ کی جائے، نہ کوئی چیز تخمینہ کی بنا پر طے کی جائے۔ (بلکہ پیداوار) تاجروں کے ہاتھوں فروخت کر دی جائے، پھر اس کی مجموعی قیمت میں سے حصے الگ کر لیے جائیں۔ یا اس کی ایک منصفانہ قیمت لگائی جائے جس میں نہ تو خراج ادا کرنے والوں کے ساتھ کوئی زیادتی ہو نہ حکومت کا نقصان ہو۔ پھر اس کے حساب سے ان کے ذمہ جو کچھ نکلتا ہو وہ لے لیا جائے۔ ان دونوں شکلوں میں سے جو شکل بھی خراج ادا کرنے والوں کے لیے سہل تر ہو وہی اختیار کی جائے''۔(۳۵)

۶۔ عراقی جاگیروں کے مسائل

عراقی جاگیروں کے بارے میں امام ابو یوسف رقم طراز ہیں کہ ''عراق کی جاگیریں ان زمینوں پر مشتمل ہیں جو پہلے کسریٰ اور اس کے سرداروں اور اہل خاندان کی ملک تھیں اور اُن کے علاوہ کسی اور کے قبضہ میں نہ تھیں۔ ان زمینوں کو حضرت عمرؓ نے حکومت کے قبضہ میں لے لیا تھا''۔(۳۶)

نیز فرماتے ہیں کہ

''ان زمینوں کا حال اس مال جیسا ہے جو کسی کی ملک میں نہ ہو اور نہ ہی وہ کسی وارث کے قبضہ میں ہو۔ ایسے مال کے سلسلہ میں امام عادل کو یہ اختیار حاصل ہے کہ چاہے تو اس میں سے لوگوں کو انعامات دے اور جن لوگوں نے اسلام کی کوئی بڑی خدمت انجام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دی ہو ان کو کچھ بطور عطیہ دے اور بے جا ترجیحی سلوک کیے بغیر ان اموال کو مناسب طور پر صرف کرے۔

میرے نزدیک عراقی زمین سے جاگیریں دیئے جانے کی نوعیت یہی کچھ ہے۔ اور حجاج نے جو کچھ کیا اور پھر عمر بن عبد العزیز نے جو اقدامات کیے تو عمرؒ نے اس سلسلہ میں سنت پر عمل کیا ہے کیونکہ جسے ہدایت یافتہ حکمرانوں نے جاگیر عطا کی ہوں، اس سے جاگیر واپس لینے کا حق کسی کو نہیں ہے۔ اب اگر کوئی حاکم کسی سے جاگیر چھین کر دوسرے کو دیتا ہے تو وہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص ایک کے مال کو غصب کر کے دوسرے کے حوالے کر دے"۔(۳۷)

پھر اس کے بعد آپ نے متعدد احادیث و آثار کا ذکر کیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم وقت کسی بھی ضرورت و مصلحت کی خاطر رعایا میں جاگیریں تقسیم کر سکتا ہے۔(۳۸)

۷۔ عراقی و شامی جاگیروں کے محاصل اور ان کی مقداریں

اس کے بعد آپ نے عراق و شام کے قطائع (یعنی اسلامی ریاست کی طرف سے مسلمانوں کو عطا کردہ قطعات زمین) سے متعلق محاصل پر روشنی ڈالی ہے۔ ظاہر ہے خلیفہ نے آپ سے اس سلسلہ میں بھی معلومات فراہم کرنے کا مطالبہ کیا ہو گا۔

ان جاگیروں پر عشر عائد ہو گا یا خراج، اس سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں:

"یہ امام پر موقوف ہے اگر وہ ان پر عشر وصول کرنا چاہے تو عشر وصول کر سکتا ہے، اگر وہ عشر کا دوگنا عائد کرنا چاہے تو ایسا بھی کر سکتا ہے اور اگر وہ انہیں خراجی زمین کے تحت لانا چاہے تو اس کا بھی اسے اختیار ہے، بشرطیکہ ان زمینوں کو خراجی نہروں سے سینچا جاتا ہو"۔(۳۹)

اگلے صفحات میں امام ابو یوسف نے اس مسئلہ کی مزید وضاحت کی ہے کہ اگر جاگیر اس زمین سے دی جائے جو عشری ہے تو پھر اس پر عشر واجب ہو گا اور اگر وہ خراجی زمین ہو تو پھر یہ امام کی صوابدید پر ہے، چاہے تو اسے عشری زمین کے حکم میں لے آئے اور چاہے تو خراجی زمین ہی کے حکم میں باقی رکھتے ہوئے اس پر خراج عائد کرے۔(۴۰)

خراج کے احکام چونکہ امام ابو یوسفؒ پیچھے بیان کر چکے ہیں اس لیے یہاں انہوں نے عشر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احکام پر روشنی ڈالی ہے، تاکہ اگر حاکم ان زمینوں پر عشر عائد کرنا چاہے تو اسے معلوم ہو کہ کس کس پیداوار پر عشر ہو گا، اور اس کا نصاب اور طریق کار کیا ہوگا، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''جو زمینیں بہتے پانی سے سیراب ہوتی ہوں، ان پر عشر (کل پیداوار کا دسواں حصہ) لاگو ہو گا اور جو ڈول، بڑے ڈول، یا پانی کھینچنے والے جانوروں کے ذریعہ سینچی جاتی ہوں، ان پر رہٹ، ڈول، اور پانی لانے والے جانور کے مصارف کی وجہ سے نصف العشر (بیسواں حصہ) عائد ہو گا۔ عشر اور صدقہ عشری زمینوں پر پیدا ہونے والے پھل اور کھیتی پر واجب ہے کیونکہ احادیث و آثار سے یہی بات ثابت ہے''۔(۴۱)

اس کے بعد فرماتے ہیں:

''میری رائے میں عشر صرف انہی پیداواروں پر عائد ہو گا جو لوگوں کے پاس باقی رہتی ہوں۔ سبزیوں، چارہ اور ایندھن (جنہیں ذخیرہ کر کے) رکھنا ممکن نہ ہو، ان پر عشر نہیں۔ اسی طرح جو چیزیں لوگوں کے پاس باقی نہیں رہتیں مثلاً تربوز، ککڑی، کھیرا، کدو، بینگن، گاجر، ترکاریاں، تلسی اور خوشبو دار پودے اور اسی طرح کی دوسری چیزیں، ان پر عشر عائد نہیں ہو گا۔ جب کہ وہ چیزیں جو لوگوں کے پاس باقی رہتی ہیں اور قفیز سے ناپی اور رطل سے تولی جاتی ہیں مثلاً گیہوں، جو، مکئی، چاول، دوسرے غلے، سمسم، پٹ سن، بادام، چلغوزہ، اخروٹ، پستہ، زعفران، زیتون، قرطم، دھنیا، زیرۂ رومی، زیرہ، پیاز لہسن اور اسی قسم کی دوسری چیزیں۔ جب زمین میں ان کی پیداوار پانچ وسق یا اس سے زیادہ ہو تو اس پیدادار سے عشر وصول کیا جائے گا بشرطیکہ زمین ایسی ہو جو بہتے ہوئے پانی یا بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہو۔ اور اگر زمین بڑے ڈول، رہٹ اور جانوروں کے ذریعے سینچی جائے تو اس میں سے نصف العشر وصول کیا جائے گا۔ اگر پیداوار پانچ وسق سے کم ہو تو اس میں سے کچھ بھی واجب نہیں ہو گا''۔(۴۲)

امام ابو یوسف نے مذکورہ بالا بحث کے بعد اپنی آراء کو مدلل کرنے کے لیے بہت سی احادیث و آثار پیش کیے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے زعفران کے بارے میں یہ اجتہادی رائے قائم کی ہے کہ

''زعفران اگر عشری زمین میں پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ اتنی زعفران پیدا فرما دیں جس کی قیمت زمین سے پیدا ہونے والے سب سے کم قیمت والے ایسے غلہ کہ جس پر عشر لیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتا ہے، کے پانچ وسق قیمت کے مساوی ہو جائے تو اس میں عشر [یا نصف العشر بحساب زمین] واجب ہو جائے گا‘‘۔(۴۳)

۸۔ عراق و شام کے علاوہ زمینوں کی نوعیت

ارضِ حجاز کے حوالے سے خلیفہ کو معلومات دیتے ہوئے امام ابو یوسف لکھتے ہیں:

’’حجاز، یعنی مکہ، مدینہ اور یمن اور عرب کی زمینیں جنھیں اللہ کے رسول ﷺ نے فتح کیا، ان کے محاصل کے سلسلہ میں کوئی کمی بیشی نہیں کی جائے گی، کیونکہ یہ وہ زمینیں ہیں جن پر اللہ کے رسول ﷺ کا حکم نافذ ہو چکا ہے اور کسی بھی حاکم کے لیے اب اس حکم سے سرمو انحراف ممکن نہیں۔ اور ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے عرب کی زمینیں فتح کیں اور ان پر عشر کے احکام نافذ کیے نہ کہ خراج کے‘‘۔(۴۴)

بصرہ اور خراسان کی زمینوں کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ

’’یہ زمینیں میرے نزدیک ارض سواد ہی کی طرح ہیں یعنی یہ کہ ان میں سے جو کوئی مفتوح ہو کر ملے وہ خراجی ہے، جس پر صلح ہو اس میں وہی احکام ہوں گے جو صلح کے معاہدہ میں طے پائیں ہوں اور اس میں کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی اور جس زمین کے لوگ مسلمان ہو جائیں وہ عشری کے حکم میں آئے گی‘‘۔(۴۵)

۹۔ غیر آباد (مردہ) زمینوں کی آباد کاری کا مسئلہ

اس کے بعد ابو یوسف نے غیر آباد زمینوں کی آباد کاری کے حوالے سے بحث کی ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں ابو یوسف خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’امیر المؤمنین! آپ نے پوچھا کہ وہ زمینیں جو بزور فتح حاصل ہوئیں یا جن کے باشندوں سے صلح کا معاہدہ ہوا، ان میں بعض بستیوں میں بہت سی ایسی زمینیں موجود ہیں جن پر نہ تو کھیتی کے آثار ہیں، نہ کسی مکان کے، تو ان کے بارے میں کیا پالیسی بہتر ہو گی؟...... میری رائے یہ ہے کہ اس سلسلہ میں آپ کو اختیار ہے کہ آپ اس میں سے جس کے لیے چاہیں جاگیر عطا کریں، چاہیں تو کرایہ پر اٹھا دیں، اور چاہے تو کوئی اور مفید صورت اختیار کر لیں اور جو کوئی مردہ زمین کو کار آمد بنا لے وہی اس زمین کا مالک قرار پاتا ہے‘‘۔(۴۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر اس کے بعد امام ابو یوسف نے اپنے اس موقف پر احادیث و آثار سے دلائل ذکر کیے ہیں اور اس سے متعلقہ بعض جزئیات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

علاوہ ازیں ابو یوسف نے زیر نظر کتاب میں جگہ جگہ اس بات پر زور دیا ہے کہ مردہ اور غیرآباد ویران جگہوں کو خالی نہ چھوڑا جائے بلکہ ان کی آبادکاری کی طرف توجہ دی جائے، خواہ یہ آبادکاری حکومت کرے یا کسی کو آبادکاری کے لیے دے دے۔(۴۷)

اسی ضمن میں آپ نے دجلہ و فرات کی غیرآباد زمینوں کے بارے میں بھی بحث کی ہے، اور ان کی آبادکاری کے سلسلہ میں پیدا ہونے والے مختلف اہم مسائل کے بارے میں خلیفہ وقت کو فقہی و قانونی تجاویز دی ہیں۔(۴۸)

۱۰۔ اسلام قبول کرنے والوں کے جان و مال کا مسئلہ

اس ضمن میں امام ابو یوسفؒ نے خلیفہ کو اس مسئلہ سے آگاہ کیا ہے کہ کفار میں سے جو لوگ مسلمان ہو جائیں ان کے جان و مال ایسے ہی قابل احترام ہیں جیسے دیگر مسلمانوں کے۔ بطور دلیل آپ نے ان مسلمانوں کی مثالیں ذکر کی ہیں جنہیں اسلام لانے کے بعد ان کی زمینوں پر اسی طرح رہنے دیا گیا جیسے وہ اسلام لانے سے پہلے تھے جیسے مدینہ، طائف اور نجران وغیرہ کے علاقے ہیں۔(۴۹)

۱۱۔ باغیوں کے جان و مال کا مسئلہ

اس کے بعد آپ نے ان لوگوں کے جان و مال کے مسائل پر بحث کی ہے جنہوں نے کفروارتداد اور بغاوت کی راہ اختیار کی اور ریاست کے خلاف اسلحہ اٹھایا۔ اس پر مزید بحث آپ نے کتاب ہٰذا کے آخری صفحات میں بھی کی ہے۔

۱۲۔ زکاۃ سے متعلقہ احکام

اس کے بعد امام ابو یوسفؒ نے زکاۃ کے بارے میں تفصیلات دی ہیں۔ پہلے آپ نے خلیفہ ہارون الرشید کے زکاۃ سے متعلقہ معلومات مہیا کیے جانے کے مطالبہ کا ذکر کیا ہے، پھر انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

''امیر المؤمنین! زکاۃ پر مقرر کیے جانے والے عاملوں کو حکم دیں کہ وہ حق کے ساتھ زکاۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وصول کریں، اور اسے صرف انہیں لوگوں میں تقسیم کریں جو زکاۃ کے مستحق ہیں اور اس سلسلہ میں اس طریقہ کار کو اختیار کیا جانا چاہیے جسے اللہ کے رسول ﷺ نے جاری کیا ہے اور آپ کے بعد آپ کے اصحاب نے جس کی پیروی کی ہے''۔(۵۰)

پھر آپ نے زکاۃ کے بارے میں اپنی سند کے ساتھ احادیث ذکر کی ہیں اور ان احادیث کی روشنی میں بہت سے فقہی نکات پر روشنی ڈالی ہے۔ اس سلسلہ میں بعض ان جزئیات پر بھی آپ نے اظہار خیال کیا ہے جن پر فقہاء کا اختلاف رائے ہے۔ مثلاً گھوڑوں کی زکاۃ کا مسئلہ، زکاۃ میں دیے جانے والے جانوروں کے اوصاف کا مسئلہ، ۱۲۰ اونٹوں کے بعد زکاۃ کی شرح نصاب کا مسئلہ، مختلف نصابوں کے جمع ہونے پر زکاۃ کی وصولی کا مسئلہ۔ ان اختلافی مسائل میں آپ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس رائے کو اختیار کریں جو نصوص اور مصالحہ عامہ سے قریب تر ہو۔(۵۱)

آپ نے زکاۃ سے متعلقہ مسائل بیان کرتے ہوئے خلیفہ کو اس بات پر خصوصی توجہ دلائی ہے کہ زکاۃ کی وصولی کے لیے امانت دار، رحم دل، اور نیک لوگوں کو متعین کیا جائے۔(۵۲)

۱۳۔ کنوؤں، نہروں، دریاؤں اور آبپاشی سے متعلقہ بعض مسائل

خلیفہ ہارون الرشید نے ابو یوسفؒ سے کنویں کھودنے، نئی نہریں بنانے، پرانی نہروں کو پھر سے جاری کرنے اور آبپاشی وغیرہ سے متعلقہ کئی باتیں دریافت کیں تاکہ ان کی فقہی و شرعی حیثیت معلوم ہو سکے، چنانچہ ان کے جواب میں ابو یوسف نے کئی صفحات میں تفصیلات مہیا کی ہیں اور متعلقہ مسائل پر روشنی ڈالی ہے مثلاً ایسی نہر جس کے کنارے پھیل جائیں اور اس سے رستہ متاثر ہو اور راہ گزر دشواری کا سامنا کر رہے ہوں تو اس نہر کے بارے میں خلیفہ کو جواب دیتے ہوئے ابو یوسف فرماتے ہیں کہ

''اگر تو وہ نہر پرانی ہو تو پھر اسے باقی رکھا جائے گا، اگر کسی امیر وغیرہ کے حکم سے تعمیر کی گئی ہو تو پھر اس کے نفع و نقصان کے پہلوؤں پر غور کیا جائے گا۔ اگر تو اس کا نفع اس کے نقصان سے زیادہ ہو تو اسے باقی رہنے دیا جائے گا اور اگر اس کے برعکس ہو تو پھر اس نہر کو ختم کر کے زمین کے برابر کر دیا جائے گا''۔(۵۳)

نیز فرماتے ہیں کہ

''ہر وہ نہر جس کا فائدہ اس کے نقصان کی نسبت زیادہ ہو، تو حاکم کے لیے درست نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ وہ اسے ختم کرے، اور ہر وہ نہر جس کا نقصان فائدہ کی نسبت زیادہ ہو تو حاکم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے ختم کر دے‘‘۔(۵۴)

اسی طرح کسی کے زیر ملکیت کنویں یا چشمے وغیرہ سے پینے کے لیے اور کھیتوں کی سیرابی کے لیے پانی لینے کے بارے میں ابو یوسف فرماتے ہیں:

’’جو شخص کسی چشمے، کنویں، نہر وغیرہ کا مالک ہو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی مسافر کو اس سے پانی پینے سے منع کرے، کیونکہ اس سلسلہ میں احادیث و آثار موجود ہیں۔ البتہ وہ شخص لوگوں کو اپنے کھیت، درخت اور کھجور اور انگور کو سیراب کرنے سے روک سکتا ہے، اس لیے کہ ایک تو اس سلسلہ میں ممانعت کی کوئی حدیث نہیں ہے اور دوسرا یہ کہ یہ چیز اصل مالک کو ضرر پہنچاتی ہے۔ اور جہاں تک جانوروں/مویشیوں کو پانی پلانے سے روکنے کا مسئلہ ہے، تو اس سلسلہ میں واضح رہے کہ اصل مالک کو جانوروں کو پانی سے روکنے کا کوئی حق نہیں‘‘۔(۵۵)

آپ نے عام پینے کے لیے پانی لینے اور کھیت کھلیان کی سیرابی کے لیے پانی لینے میں فرق کیا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ’’ان دونوں چیزوں میں فرق کرنے کی وجہ وہ سنت اور احادیث ہیں جو اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں‘‘۔(۵۶)

اس کے بعد آپ نے کئی ایسی احادیث کا ذکر کیا ہے جن میں (مسافروں وغیرہ کو) پانی پینے سے روکنے کی سخت مذمت کی گئی ہے مثلاً آپ کی روایت کردہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں؛ پانی، چارہ اور آگ‘‘۔(۵۷)

اسی طرح بڑے دریاؤں سے پانی لینے کے بارے میں آپ لکھتے ہیں:

’’دجلہ و فرات اور اس طرح کے تمام بڑے بڑے دریاؤں اور وادیوں میں تمام مسلمان برابر کے شریک ہیں۔ ان سے وہ (زمین کی) سینچائی اور جانوروں کے پینے کے لیے پانی لے سکتے ہیں۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ انہیں اس سے روکے۔ ...... اگر کوئی شخص بڑے دریا سے نہر نکال کر اپنی زمین تک لے جانا چاہتا ہے تو اس سلسلہ میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس سے دریا کو نقصان پہنچتا ہو تو پھر وہ نہ اس کا حق رکھتا ہے اور نہ اسے ایسا کرنے دیا جائے گا، ہاں اگر کسی نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ اور یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاکم کی ذمہ داری ہے کہ اگر بڑے دریا جو تمام مسلمانوں کے لیے عام ہیں، کھدائی اور مرمت وغیرہ کے محتاج ہوں تو ان کی طرف توجہ دے، اگر ان کے بند ٹوٹنے کا خطرہ ہو تو ان کی مرمت کروائے‘‘۔(۵۸)

اسی طرح آپ نے نہروں اور کنوؤں کے پانی کو کرائے پر دینے، کسی کے پانی سے دوسرے کی زمین کو نقصان پہنچے تو اس کی تلافی کرنے، بے آباد زمین میں کنواں کھودنے اور اس کے اردگرد رقبے کو اپنے کنٹرول میں لانے، بغیر اجازت کسی کی زمین میں کنواں کھودنے، وغیرہ مسائل پر روشنی ڈالی ہے اور اپنا نقطہ نظر دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اسی طرح آپ نے اس ضمن میں چارہ، گھاس اور ایندھن کے بارے میں بھی اپنی آراء سے خلیفہ کو مطلع کیا ہے۔

۱۴۔ عمال خراج کے لیے ہدایات

اس کے بعد آپ نے خراج کے لیے مقرر عمال کے سلسلہ میں بعض مسائل پر گفتگو کی ہے مثلاً ایک تو آپ نے اپنے مشاہدات کی بنیاد پر خلیفہ کو یہ مشورہ دیا ہے کہ سواد وغیرہ کی زمین میں سے کہیں بھی کسی عامل کو یہ اجازت نہ دیں کہ وہ زمین ٹھیکہ پر دے اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ٹھیکہ کی آڑ میں عامل لوگ اہل خراج کو تنگ کرتے اور ان پر ظلم کرتے ہیں۔ البتہ اس کی ایک استثنائی صورت آپ نے یہ ذکر کی ہے کہ

’’اگر کسی ملک یا علاقہ کے لوگ آپ کے پاس آئیں اور ان کے ساتھ ان کے علاقہ کا خوشحال اور معروف آدمی بھی ہو، جو یہ کہے کہ اس علاقے کی طرف سے خراج کی ادائیگی کی ذمہ داری میں اٹھاتا ہوں اور وہاں کے لوگ اس پر رضامند ہوں اور اسے اپنے لیے آسان سمجھتے ہوں تو پھر اس معاملہ میں غور کیا جانا چاہیے اور اسے ذمہ دار تسلیم کر کے متعدد افراد کو اس معاہدہ پر گواہ ٹھہرا لینا چاہیے۔ نیز اس شخص کے ساتھ خلیفۂ وقت کی طرف سے ایک امیر بھیجا جائے جس کی امانت ودیانت پر پورا بھروسہ ہو اور اس کا مشاہرہ بیت المال سے مقرر کیا جائے۔ وہ امیر اس بات کا ذمہ دار ہو کہ اگر وہ دیکھے کہ یہ شخص اہل علاقہ پر خراج کے سلسلہ میں ظلم کرنے، خراج میں اضافہ کرنے یا اس پر ایسا بار ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہے جو اس کے ذمہ نہیں تو یہ امیر اسے سختی سے اس سے روک دے‘‘۔(۵۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عباسی دور حکومت میں خراج کی وصولی کے لیے جو لوگ مقرر کیے جاتے تھے، ان کے بارے میں شکایات موصول ہوتی تھیں کہ یہ اہل خراج پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں اور امانت و دیانت کے تقاضے پورے نہیں کرتے۔ چنانچہ ان مفاسد کا سد باب کرنے کے لیے آپ نے خلیفہ کو لکھا کہ

"خراج کے لیے وہ عمال مقرر کریں جو دین دار اور امانت دار ہوں، علم و فہم رکھتے ہوں، اہل بصیرت سے مشاورت کر کے چلتے ہوں، پاک دامن ہوں، لوگوں کو ان کے اخلاق و کردار پر انگلی نہ اٹھاتے ہوں۔ اور وہ اللہ کے لیے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرنے والے نہ ہوں۔ حقوق کی پاسداری اور امانت ودیانت کے تقاضے جنت کی خاطر پورے کرنے والے ہوں، اور اس کے برعکس فعل پر مرنے کے بعد اللہ کی پکڑ سے ڈرنے والے ہوں۔ گواہی دیں تو ان کی گواہی قبول کی جاتی ہو۔ اگر فیصلہ کرنے بیٹھیں تو ان سے ظلم کا اندیشہ نہ ہو"۔(۶۰)

آپ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے مشاہدات و معلومات پر مبنی امراء کے ظلم وستم کے اسباب اور ان کے طریق ہائے واردات بھی بیان کیے ہیں اور ان کے تدارک کے لیے بڑے مفید مشورے بھی دیے ہیں۔ نیز خراج کی وصولی پر مقرر عمال کی نگرانی و محاسبہ کے لیے مزید کچھ نیک صالح محتسب مقرر کرنے کی ہدایات بھی دی ہیں۔ پھر اس کے بعد ظلم و جور کی مذمت و حرمت سے متعلقہ احادیث اور آثار بالخصوص حضرت عمر بن خطاب کے حوالے سے بعض ایسے واقعات نقل کیے ہیں جن سے اسلام کے نظامِ عدل و انصاف کی صحیح تصویر سامنے آتی ہے۔(۶۱)

۱۵۔ ذمیوں سے متعلقہ مسائل[جزیہ، تجارتی ٹیکس، مذہبی آزادی کی حدود، وغیرہ]

اس کے بعد آپ نے ذمیوں سے متعلقہ مسائل یعنی جزیہ، ذمیوں کی وضع قطع، ان سے وصول کیا جانے والا تجارتی ٹیکس وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے۔ سب سے پہلے آپ نے بنو تغلب کے عیسائیوں کے بارے میں خلیفہ کے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے دیگر ذمیوں کے برعکس تغلبی عیسائیوں سے جزیہ ختم کر کے زکاۃ کا دوگنا وصول کرنے کا حکم کیوں جاری فرمایا تھا۔ اس کے بعد آپ نے جزیہ کا شرعی حکم، جزیہ کی شروح و مقداریں، جزیہ کی وصولی سے متعلقہ حضرت عمرؓ کے بعض اقدامات، نیز نبی کریم ﷺ کے جزیہ اور ذمیوں کے بارے میں نرمی اور رحمدلی کا رویہ اختیار کرنے سے متعلقہ بعض ارشادات نقل کیے ہیں۔(۶۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے بعد آپ نے حضرت عمرؓ کے اقدامات کی روشنی میں اس بات پر بحث کی ہے کہ ایک مسلم ریاست کے زیر تحت ذمیوں کی نقل وحرکت، مذہبی آزادی، لباس اور وضع قطع کی حدود کیا ہوں گی۔(۶۳)

پھر آپ نے مجوسیوں، بت پرستوں اور مرتد لوگوں سے متعلقہ بعض ضروری مسائل کو موضوعِ بحث بنایا ہے اور یہ رائے دی ہے کہ خاص عرب کے بت پرستوں اور اسلام سے مرتد ہونے والوں کے علاوہ باقی سب سے جزیہ وصول کیا جائے گا خواہ وہ بت پرست ہوں یا مجوسی مشرک۔ اور اپنی اس رائے پر اَحادیث و آثار سے دلائل بھی پیش کیے ہیں۔(۶۴)

اس کے بعد آپ نے تجارتی ٹیکس سے متعلقہ مسائل پر گفتگو کی ہے۔ اس ضمن میں آپ نے تجارتی ٹیکس کی اسلامی تاریخ میں ابتداء، حضرت عمرؓ کے اس سلسلہ میں فیصلے، تجارتی ٹیکس کی شرح، اس مد میں وصول ہونے والے مال کا مصرف، مسلمانوں سے تجارتی ٹیکس وصول کرنے کی صورت اور اس کے مصرف وغیرہ جیسے مسائل پر اظہار خیال کیا ہے۔(۶۵)

اس کے بعد آپ نے مفتوحہ ممالک میں ذمیوں (یہود و نصاریٰ) کی عبادت گاہوں کو برقرار رکھے جانے کے مسئلہ پر خلیفہ کے سوال کا جواب دیا ہے اور اس کی وجہ بیان کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ

> ''فتوحات کے موقعوں پر مسلمانوں اور ذمیوں کے مابین اس بات پر صلح کا معاہدہ ہوا تھا کہ ذمی جزیہ ادا کریں گے اور ان کی عبادت گاہیں،خواہ شہر کے اندر ہوں یا باہر، مسمار نہیں کی جائیں گی۔ اور مسلمان ذمیوں کی جان کی حفاظت کریں گے، اور دشمنوں کے مقابلہ میں ان کا دفاع کریں گے۔ پھر اسی پر ان کے مابین صلح کا معاہدہ ہوا جو ضبط تحریر میں بھی لایا گیا اور اس میں یہ شرط بھی تھی کہ ذمی خواہ یہودی ہوں یا عیسائی، کوئی نئی عبادت گاہ تعمیر نہیں کریں گے۔ چنانچہ شام سارے کا سارا اور حیرہ کا بڑا حصہ اسی معاہدہ پر فتح ہوا تھا''۔(۶۶)

اس کے بعد آپ نے ان فتوحات اور معاہدوں سے متعلقہ تفصیلات پر مشتمل روایات نقل کی ہیں جن میں اس عہد کی جنگی تاریخ، ذمیوں کے لباس، وضع قطع، صلیب نکالنے کے حدودو مواقع، اسلحہ نہ رکھنے کی شرائط وغیرہ سے متعلق اور بہت سی مفید معلومات بھی ملتی ہیں۔(۶۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۶۔ باغیوں، چوروں اور قصاص وحدود سے متعلقہ مسائل

اس ضمن میں خلیفہ کی طرف سے آپ سے جو سوال کیے گئے، انہیں مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے درج ذیل مباحث پر تفصیل سے کلام کیا ہے:

۱۔ چوروں، ڈاکوؤں، فسادیوں کے لیے جیل کا انتظام

۲۔ جیلوں میں قیدیوں کے بنیادی حقوق (خوراک، پوشاک، مذہبی آزادی وغیرہ) کا اہتمام

۳۔قیدیوں کی بامشقت سزا کی حدود

۴۔ نفاذ حدود کی ضرورت واہمیت اور اس کی برکات

۵۔ حدود و قصاص کی شرائط اور نصاب وغیرہ سے متعلقہ مسائل

۶۔ دیت کے مسائل

۷۔قتل خطا اورقتل شبہ العمد کا مسئلہ

۸۔ زنا کی سزا

۹۔ نشہ و منشیات کی سزا

۱۰۔ قذف کی سزا

۱۱۔ تعزیری سزاؤں کی حدود

۱۲۔ چوری کی سزا

۱۳۔ حدود کے موانع (صغرسنی، میدان جنگ وغیرہ) (۶۸)

یاد رہے کہ قاضی ابو یوسفؒ صاحب نے مذکورہ بالا مباحث میں سے ہر مبحث کے زیادہ سے زیادہ ممکنہ پہلوؤں پر گفتگو کی ہے اور اپنے نقطہ نظر کو احادیث و آثار سے مدلل کر کے پیش کیا ہے۔ جہاں فقہاء کا اختلاف تھا، وہاں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دلائل کی بنیاد پر اپنی طرف سے راجح رائے کا اظہار بھی کیا ہے۔

۱۷۔ مرتد ہونے والوں سے متعلقہ احکام

اس ضمن میں آپ نے جن پہلوؤں پر گفتگو کی ہے، ان میں سے چند بنیادی پہلو درج ذیل ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ مرتد لوگوں کو توبہ کی دعوت دی جائے یا نہیں۔

۲۔ مرتد توبہ نہ کریں تو ان کی شرعی سزا کیا ہو گی۔

۳۔ مرتد لوگوں کے اموال اور جائیدادوں کا کیا حکم ہو گا۔

۴۔ مرتد لوگوں کی عورتوں اور بچوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔(۶۹)

۱۸۔ قاضیوں، عاملوں اور گورنروں کے وظائف سے متعلقہ مسائل

اس ضمن میں آپ نے خلیفہ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے اس موضوع پر بات کی ہے کہ حکومت کی طرف سے قاضی اور عامل وغیرہ مقرر کیے جانے والے لوگوں کو بیت المال سے مشاہرے دیئے جائیں گے، خواہ بیت المال کی آمدن خراج ہو یا جزیہ۔ البتہ زکوٰۃ کی مد میں سے صرف اسے ہی مشاہرہ دیا جائے گا جو زکوٰۃ کی وصولی پر مقرر کیا گیا ہو، دیگر عاملوں کو اس میں سے مشاہرہ نہیں دیا جا سکتا۔ (۷۰)

۱۹۔ سرحدوں کی حفاظت اور جاسوسوں سے متعلقہ مسائل

اس ضمن میں آپ نے ان غیر مسلموں سے متعلقہ مسائل پر تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے جو جاسوسی کے شبہ میں سرحدی علاقوں یا دیگر علاقوں سے پکڑے جائیں۔ اسی طرح جو غیر مسلم امان لے کر بلادِ اسلامیہ میں داخل ہوں، ان سے متعلقہ متفرق مسائل بھی زیر بحث لائیں گے ہیں۔(۷۱)

۲۰۔ مشرکوں اور باغیوں سے جنگ اور متعلقہ مسائل

زیر نظر کتاب کا یہ سب سے آخری حصہ ہے جس میں قاضی صاحب نے اسلام کے جنگ و امن سے متعلقہ نقطہ نظر تفصیل سے واضح کیا ہے۔ اس ضمن میں درج ذیل نکات پر روشنی ڈالی گئی ہے:

۱۔ حربی دشمنوں سے جنگ کی شرائط و آداب۔ [ان شرائط و آداب کو احادیث اور صحابہ کے طرز عمل کی روشنی میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔]

۲۔ مفتوحہ علاقوں اور قیدیوں سے متعلقہ احکام۔

۳۔ غنائم سے متعلقہ احکام۔

۴۔ دشمن کی املاک کو ان کے لیے ناکارہ بنانے اور ضائع کر دینے سے متعلقہ احکام۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۔ جہادی کارروائی سے پہلے خلیفہ کی اجازت سے متعلقہ احکام۔

۶۔ حربی دشمنوں سے تجارت اور لین دین سے متعلقہ احکام۔

۷۔ حربی دشمنوں سے معاہدۂ صلح سے متعلقہ احکام۔

۸۔ میدان جنگ میں دشمن کو امان دینے سے متعلقہ احکام۔

۹۔ غیر مسلموں کے کھانے پینے اور ان کی عورتوں سے نکاح سے متعلقہ احکام۔

۱۰۔ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ سے متعلقہ تفصیلات اور ان سے مستنبط احکام۔

۱۱۔ باغی مسلمانوں سے جنگ سے متعلقہ احکام۔(۷۲)

حاصل بحث

قاضی ابویوسفؒ کی کتاب الخراج کے تعارفی مطالعہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ:

۱۔ کتاب الخراج دوسری صدی ہجری میں لکھی گئی کتابوں میں اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک اہم ترین بلکہ ابوزہرہ کے الفاظ میں بے نظیر کتاب ہے۔

۲۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ہمیں پہلی دو صدیوں کی اسلامی تاریخ بالخصوص مسلمانوں کے معاشی و سیاسی نظام سے متعلق بہت سی اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

۳۔ دوسری صدی ہجری میں علماء و فقہاء فقہی و انتظامی مسائل میں قرآن و سنت اور آثار صحابہ سے کس طرح استدلال کرتے اور اجتہاد و قیاس بروئے کار لاتے، اس بارے بھی یہ کتاب ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ چونکہ ابویوسفؒ، امام ابوحنیفہؒ کے تلمیذ خاص ہیں اس لیے عراقی فقہاء کے طرز استدلال کو سمجھنے میں یہ کتاب بطورِ خاص مد ثابت ہوتی ہے۔

۴۔ ہارون الرشیدؒ جیسے عادل و صالح خلیفہ کا اسلامی ریاست کی قانونی ضرورتوں کے پیش نظر ابویوسفؒ سے یہ کتاب لکھنے کی فرمائش کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ ابویوسفؒ اپنے علم و تفقہ اور تقویٰ و تدوین کے اعتبار سے نہ صرف خلیفہ وقت بلکہ عامۃ الناس کے ہاں بھی معتبر اور مقبول شخصیت تھے۔

۵۔ زیر نظر کتاب کے وہ تمام مباحث جن میں قاضی ابویوسفؒ خلیفہ وقت کو قرآن و حدیث کی روشنی میں نصیحتیں کرتے، آخرت میں جواب دہی کا احساس دلاتے اور قانون سازی میں مصالح عامہ اور عوام کے اجتماعی مفاد کا تحفظ کرتے دکھائی دیتے ہیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ قاضی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابو یوسفؒ نے انتہائی نیک نیتی اور دیانت داری کے ساتھ یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ زرکلی، خیرالدین، **الاعـــلام**، ج۹، ص۲۵۲، مکتبۃ دارالعلم، بیروت، ط ثانی ۱۹۸۰ء۔ امام ابو یوسفؒ کے بارے میں یہ معلومات صرف خیر الدین زرکلی ہی سے لی گئی ہیں اور زرکلی نے اس سلسلہ میں ابن الندیم کی **الفہرست** پر زیادہ تر اعتماد کیا ہے۔ مشہور محقق ابو زہرۃ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "ابـو حـنـیـفـۃؒ...... **حیاتہ و عصرہ**" میں (امام ابو حنیفہ کے تلامذہ کا تعارف کرواتے ہوئے) ابو یوسف کے بارے میں ابن الندیم کے حوالے سے ان کی تصنیفات کا ذکر کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ ''ابن الندیم آپ کی کچھ تصنیفات کا ذکر نہیں کر سکے حالانکہ یہ تصنیفات خود ہم نے دیکھی ہیں۔ ان میں امام ابو حنیفہؒ کی آراء کو نقل کیا گیا ہے، اور ان کے دفاع میں لکھا گیا ہے۔ ان کتابوں میں **کتـاب الآثـار**، **اخـتـلاف ابن ابی لیلیٰ**، **الرد علی سیر الاوزاعی** اور **کتـاب الخراج** شامل ہیں''۔ دیکھیے: ابوزھرۃ، ابو حنیفۃ...... **حیاتہ و عصرہ**، ص ۱۹۷، دار الفکرالعربی، ط ثانی ۱۹۶۰ء۔

امام ابو یوسفؒ کے حوالے سے مزید تفصیلات کے لیے محمد زاہد الکوثری صاحب کی کتاب "**حسـن التـقـاضـی فی سیـرۃ الامام أبی یوسف القاضی**" کا مطالعہ بھی مفید رہے گا۔ امام ابو یوسفؒ پر جرح وتعدیل کے سلسلہ میں ایک تنقیدی مطالعہ کے لیے دیکھیے: زبیر علی زئی، ''قاضی ابویوسفؒ...... جرح و تعدیل کی میزان میں''، مقالہ: در؛ ماہنامہ 'الحدیث'، عدد ۱۹، مکتبہ الحدیث، حضرو، اٹک، دسمبر، ۲۰۰۵ء۔

۲۔ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، **کتاب الخراج**، ص۳، المطبعۃ السلفیۃ، القاھرۃ، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۳۸۲ھ۔

۳۔ صدیقی، نجات اللہ، اردو ترجمہ: **کتـاب الخراج**، ص۱۴، ادارہ دانش و حکمت، کراچی، س ن۔ یاد رہے کہ زیرِ نظر کتاب کے مختلف اقتباسات کے اردو ترجمہ میں ہم نے نجات اللہ صدیقی صاحب کے ترجمہ سے استفادہ کیا ہے، مگر اس پر کلی انحصار نہیں کیا۔

۴۔ ابوزہرہ، محولہ بالا، ۱۹۷۔

۵۔ ایضاً، ص۱۹۹۔

۶۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ دوسری صدی ہجری میں جب عباسیوں کا دور حکومت تھا، مسلمان معاشی طور پر نہایت مضبوط تھے، اور وسائل کی کثرت کے پیش نظر اس بات کی ضرورت تھی کہ ریاست کے معاشی معاملات پر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں قانون سازی کی جائے اور یہ اس وقت کے علماء و فقہاء کی ذمہ داری تھی کہ وہ تقریر و تحریر کے ذریعے اس کام میں حکومتوں کی مدد کریں۔ چنانچہ ابو یوسف کے علاوہ اور لوگوں نے بھی ان کے بعد اس موضوع پر کتابیں لکھیں مثلاً:

ایک اور نہایت اہم کتاب جو "**کتـاب الخـراج**" ہی کے نام سے اس دور میں لکھی گئی، یحیٰی بن آدم القرشی کی تصنیف ہے جن کی وفات ۲۰۳ھ ہے۔ ایسی طرح اسی نام سے ابوعلی الحسن بن زیاد اللؤلوی (المتوفی ۲۰۴ھ) نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی ایک کتاب لکھی۔ ابو عبد الرحمٰن الھیثم بن عدی (التوفی ۲۰۷ھ) نے بھی اسی نام سے کتاب تصنیف کی۔ دیکھیے: ابن الندیم، ابو الفرج محمد بن ابی یعقوب اسحاق، الفہرست فی اخبار العلماء المصنفین من القدماء، ص۲۸۳، ۲۵۸، ۱۱۲، المتکبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر۔

اور جہاں تک امام ابو یوسفؒ کی تصنیف کے عدم مربوط ہونے کا مسئلہ ہے، تو اس سلسلہ میں واضح رہے کہ کتاب کے بالاستیعاب مطالعہ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں ایک اور کوتاہی یہ نظر آتی ہے کہ اس میں تاریخی و ارتقائی نقطہ نظر کو ملحوظ نہیں رکھا گیا، جیسا کہ ڈاکٹر حمید اللہؒ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں: ''اسلامی مالیات پر ہمارے فقہاء نے نہایت قدیم زمانے سے ہی بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً امام ابویوسف کی کتاب ''الخراج''، یحییٰ ابن آدم القرشی کی کتاب ''الخراج''، ابوعبید قاسم بن سلام کی کتاب ''الاموال'' اور اسی طرح کی اور کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ کئی ایک چھپ بھی چکی ہیں۔ میں ان ساری کتابوں کے مؤلفوں کا پورا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے عرض کروں گا کہ ان میں ایک کوتاہی نظر آتی ہے، وہ یہ کہ انہوں نے تاریخی نقطہ نظر کو ملحوظ نہیں رکھا۔ یعنی یہ کبھی نہیں بتایا کہ عہد نبوت میں مالیات کے متعلق ابتدائی صورت یا ہجرت سے پہلے مکہ میں کیا صورت تھی، مدینہ آنے کے بعد ابتداءً کیا تھی، رفتہ رفتہ کیا تبدیلی ہوئی اور بالآخر اس نے کیا صورت اختیار کی؟ ان باتوں کا وہ کہیں ذکر نہیں کرتے''۔ دیکھیے: حمید اللہ، خطبات بہاولپور، ص۳۱۹، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد، ط دہم، ۲۰۰۵ء۔

۷۔ مثلاً دیکھیے: ابویوسفؒ، محولہ بالا، ص۲۸، ۲۹، ۴۱، ۵۸، ۷۱، ۱۳۸، ۱۴۳، ۱۴۵۔

۸۔ قرآن سے استدلال کے لیے دیکھیے: ابویوسفؒ، محولہ بالا، ص۱۸، ۲۱، ۲۳، ۲۷، ۳۶، ۶۸، ۸۱، ۱۰۶۔ احادیث سے استدلال کے لیے دیکھیے: ص۵۰، ۵۱، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۶۱، ۶۴، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۲۵، ۱۶۲، ۱۶۸، وغیرہ۔ آثار صحابہ سے استدلال کے لیے دیکھیے: ص۵۵، ۱۲۲، ۱۲۵، ۱۵۲، ۱۵۷، ۱۶۲، ۱۷۶، وغیرہ۔ اجماع سے استدلال کے لیے دیکھیے: ص۵۹، ۷۶، ۱۲۹، ۱۳۴، وغیرہ۔ قیاس سے متعلقہ مباحث کے لیے دیکھیے: ص۱۶، ۲۱، ۲۲، ۹۷، ۱۶۱، ۱۶۸، ۱۶۹، وغیرہ۔

۹۔ ایضاً: ص۶۴، ۸۴، ۱۶۰، ۱۶۸، ۱۷۳، وغیرہ۔

۱۰۔ ایضاً: ص۵۳، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۶۷، وغیرہ۔

۱۱۔ استاد سے اختلاف کی مثالوں کے لیے دیکھیے: ایضاً: ص۸، ۱۸، ۵۲، ۵۳، ۶۴، ۷۷، ۷۸، وغیرہ۔ استاد کی رائے کو ترجیح دینے سے متعلقہ مثالوں کے لیے دیکھیے: ص۱۳۲، ۱۶۰، وغیرہ۔

۱۲۔ واضح رہے کہ مقالہ نگار کی معلومات کی حد تک زیر نظر کتاب کا مفصل تعارفی مطالعہ اس سے پہلے پیش نہیں کیا گیا، تاہم اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر ضرور لکھا گیا ہے مثلاً دیکھیے:

ا۔ محمد ضیاء الدین الریس، الخراج فی الدولۃ الاسلامیۃ، باب۵، فصل ۱۰، القاہرۃ، ط ۱۹۵۷۔

ب۔ صدیقی، نجات اللہ، ابو یوسف کا معاشی فکر، مقالہ در: فکرونظر (علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی)، ج۵، ش۱، ۱۹۶۴ء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ج۔ چیمہ، منور حسین، خراج کی تاریخ اور اس موضوع پر تصانیف کا ایک تحقیقی و تقابلی جائزہ، مقالہ در: منہاج، (دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور)، ج۱۵، ش۴،اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۹۷ء۔

د۔ اصلاحی، ضیاء الدین، امام ابو یوسف اور ان کے فقہی و قانونی کارنامے، مقالہ در: معارف (دار المصنفین، اعظم گڑھ)، ج ۹۵، ش ۵، مئی ۱۹۶۵ء۔

ہ۔ ہزاروی، محمد صدیق، امام ابو یوسفؒ......سیرت و تعارف، مقالہ در: منہاج، (دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور)، ج۱، ش۳، جولائی ۱۹۸۳ء۔

۱۳۔ ابویوسفؒ، محوالہ بالا، ص۵۔

۱۴۔ دیکھیے: ایضاً، ص۶ تا ۱۷۔

۱۵۔ ایضاً۔

۱۶۔ ایضاً: ص۶۔

۱۷۔ ایضاً: ص۱۹ تا۲۳۔

۱۸۔ ایضاً: ص۲۱۔

۱۹۔ ایضاً: ص۲۲۔

۲۰۔ ایضاً: ص۲۸۔

۲۱۔ ایضاً: ص۳۹۔

۲۲۔ ایضاً: ص۴۲۔

۲۳۔ ایضاً: ص۴۷۔

۲۴۔ ایضاً: ص۲۷۔

۲۵۔ ایضاً: ص۲۸ تا۳۵۔

۲۶۔ ایضاً: ص۳۶۔

۲۷۔ ایضاً۔

۲۸۔ ایضاً: ص۳۷۔

۲۹۔ ایضاً: ص۳۹ تا۴۱۔

۳۰۔ ایضاً: ص۴۲،۴۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۱۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: ا۔ محمد ضیاء الدین الریس، الخراج فی الدولة الاسلامیة، باب۵، فصل ۱۰، ص: ۳۸۸ تا ۳۹۳، القاہرة، ط ۱۹۵۷۔

ب۔ صدیقی، نجات اللہ، ابو یوسف کا معاشی فکر، مقالہ در: فکرونظر (علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی)، ج۵، ش۱،۱۹۶۴ء۔

۳۲۔ ایضاً، محمد ضیاء الدین الریس، ص: ۴۰۱ تا ۴۰۷

۳۳۔ ابویوسفؒ، محولہ بالا، ص۴۸۔

۳۴۔ ایضاً: ص۴۸۔

۳۵۔ ایضاً، ص۴۹، ۵۰۔ ترجمۂ اقتباسات از: صدیقی، نجات اللہ، بحوالہ: ابو یوسف کا معاشی فکر، مقالہ در: فکرونظر (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)،ص۷۶ تا۷۸۔

۳۶۔ ابویوسفؒ، محولہ بالا، ص۵۷۔

۳۷۔ ایضاً: ص۵۸۔

۳۸۔ ایضاً: ص۶۱، ۶۲۔

۳۹۔ ایضاً: ص۵۸۔

۴۰۔ ایضاً: ص۵۹۔ یہاں امام ابو یوسف نے اس بات کی بھی وضاحت کر دی ہے زمین کے عشری اور خراجی ہونے کا فیصلہ کس بنیاد پر کیا جائے گا چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ ''جو زمینیں بزور شمشیر فتح ہوں ان پر خراج ہے جیسے ارض عراق وغیرہ۔...... اور ہر وہ زمین عشری زمین کے حکم میں آئے گی جہاں کے باشندگان مسلمان ہوں (یا مسلمان ہو جائیں)، لہٰذا حجاز، مکہ، یمن اور تمام عرب کی زمین عشری زمین قرار پائے گی''۔ ایضاً: ص۶۱۔

نیز فرماتے ہیں کہ ''ہر وہ عجمی زمین جو فتح کے ذریعے حاصل ہو اور امام اسے انہی لوگوں کے ہاتھوں دیے رکھے وہ ارض خراج کے حکم میں ہے اور اگر امام اسے مجاہدین میں تقسیم کر دے تو وہ ارض عشر ہو گی...... اسی طرح ہر وہ عجمی زمین جہاں کے باشندگان کے ساتھ صلح پر معاملہ ہو اور وہ ذمی بن جائیں تو وہ بھی ارض خراج ہے''۔ ایضاً: ص۶۹۔

۴۱۔ ایضاً: ص۵۱۔

۴۲۔ ایضاً: نیز دیکھیے:ص۵۲۔

۴۳۔ ایضاً۔

۴۴۔ ایضاً: ص۵۸۔

۴۵۔ ایضاً: ص۵۹۔

۴۶۔ ایضاً: ص۶۳،۶۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۷۔ ایضاً: ص۹۲،۱۰۱۔

۴۸۔ ایضاً: ص۹۱ تا۹۳۔

۴۹۔ ایضاً: ص۶۲، ۶۳۔

۵۰۔ ایضاً: ص۷۶۔

۵۱۔ ایضاً: ص۷۶تا ۸۶۔

۵۲۔ ایضاً: ص۸۰۔

۵۳۔ ایضاً: ص۹۴۔

۵۴۔ ایضاً۔

۵۵۔ ایضاً: ص۹۵،۹۶۔

۵۶۔ ایضاً۔

۵۷۔ ایضاً: ص۹۶۔ واضح رہے کہ امام ابویوسفؒ کی ذکر کردہ یہ روایات حدیث کے دیگر مجموعہ جات میں بھی بعد میں آنے والے محدثین نے روایت کی ہیں، بطور مثال زیر نظر روایت ہی کے لیے دیکھیے:

ا۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن أبی داؤد، کتاب البیوع، باب فی منع الماء. مکتبہ دار السلام، ریاض، ط ۱۹۹۶ء۔

ب۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجه، کتاب الاحکام، باب المسلمون شرکاء فی ثلاث. مکتبہ دار السلام، ریاض، ط ۱۹۹۶ء۔

۵۸۔ ابویوسفؒ، ایضاً: ص۹۷۔

۵۹۔ ایضاً: ص۱۰۶۔

۶۰۔ ایضاً: ص۱۰۶۔

۶۱۔ ایضاً: ص ۱۱۱تا۱۱۹۔

۶۲۔ ایضاً: ص۱۲۰تا۱۲۶۔

۶۳۔ ایضاً: ص۱۲۷،۱۲۸۔

۶۴۔ ایضاً: ص۱۲۹تا۱۳۲۔

۶۵۔ ایضاً: ص۱۳۲تا۱۳۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۶۔ ایضاً: ص۱۳۸۔

۶۷۔ ایضاً: ص۱۳۸تا۱۴۹۔

۶۸۔ ایضاً: ص۱۴۹تا۱۷۸۔

۶۹۔ ایضاً: ص۱۷۹تا۱۸۶۔

۷۰۔ ایضاً: ص۱۸۶،۱۸۷۔

۷۱۔ ایضاً: ص۱۸۷تا۱۹۰۔

۷۲۔ ایضاً: ص۱۹۱تا۲۱۷۔

......☆......

© rasailojaraid.com